سلوراسٹرین کی رپورٹ کے مطابق ڈی وال مزید کہتے ہیں کہ ''دارفور میں قتل عام اور انسانی ہاتھوں سے پیدا ہونے والے مصائب کے نتیجے میں ہونے والی دو لاکھ ہلاکتیں پہلے درجے کا جرم ہیں مگر اعداد و شمار میں مبالغہ مصائب کا بازار گرم کرسکتا ہے، اور یہ عمل اپنے وکیلوں کو بے اعتبار بناتا ہے[۱]۔''

ایک مغربی تجزیہ کار برینڈن اونیل Brendan O'Neill نے بھی جو گارجین، کرسچین سائنس مانیٹر، بی بی سی نیوز آن لائن اور نیو اسٹیٹس مین سمیت برطانیہ اور امریکا کے متعدد اخبارات اور جرائد میں لکھتے ہیں اور لندن میں مقیم ہیں، برطانوی ایڈورٹائزنگ اسٹینڈرڈ اتھارٹی کے فیصلے کو برطانوی میڈیا میں نظرانداز کیے جانے پر سخت گرفت کی تھی۔ ۱۴ اگست ۲۰۰۷ء کو انہوں نے

"Darfur: pornography for the chattering classes" کے عنوان سے اس موضوع پر ایک بھرپور تجزیہ "spiked-online.com" میں تحریر کیا جس کا حوالہ سلوراسٹرین نے بھی اپنے محولہ بالا مضمون میں دیا ہے۔ اس عنوان کی ذیلی سرخی کے الفاظ یہ ہیں کہ ''برطانوی میڈیا دارفور بچاؤ اتحاد کے خلاف ایڈورٹائزنگ اسٹینڈرڈ اتھارٹی کے رسوا کن فیصلے پر خاموش کیوں رہا؟'' اس تجزیے کا ایک اقتباس ملاحظہ فرمایئے:

''ہالی ووڈ کے اشتہارات کے ذریعے مغربی ملکوں سے فوجی کارروائی کے مطالبے سے لے کر تنازع پر مہم جوئی کے انداز میں کیے جانے والے دھواں دھار تبصروں تک، دارفور بچاؤ تحریک کی سرگرمیاں حقیقتاً دارفور کے لیے نہیں ہیں بلکہ ان کا اصل مقصد امریکا اور یورپ کے مہم جوؤں اور صحافیوں کے لیے ایک اور محاذ تخلیق کرنا ہے.... اگر اس کے ذریعے وہ دارفور کے بارے میں لوگوں میں غلط فہمیاں پھیلاتے تب بھی یہ بہت برا تھا، لیکن یہ معاملہ اس سے کہیں زیادہ خراب ہے۔ دارفور بچاؤ اتحاد کے مہم جوؤں اور دوسرے لوگوں نے اس طرح علاقے میں خوں ریز تصادموں کو بڑھانے اور انہیں زیادہ سنگین بنانے میں کردار ادا کیا ہے۔ اس معاملے کو اچھوں اور بروں کی لڑائی کے طور پر پیش کرنے کی وجہ سے اس کے اصل محرکات پس پردہ چلے گئے ہیں۔ وزارت خارجہ کے حکام دعویٰ کرتے ہیں کہ تنازع کے عروج پر ہونے کے دوران بعض دارفوری باغیوں کا کہنا تھا کہ گاؤں جلنے دو، قتل عام جاری رہنے دو کیونکہ اس طرح خرطوم پر زیادہ بین

۱۔ بحوالہ: http://www.harpers.org/archive/2007/10/hbc-90001385

الاقوامی دباؤ پڑے گا جس سے ان کی پوزیشن مضبوط ہوتی جائے گی[1]۔"

مغرب کو دارفور سے ہمدردی کیوں؟

دارفور میں ہونے والے باہمی تصادم میں لاکھوں جانوں کا زیاں اور اس سے کہیں زیادہ بڑی تعداد میں لوگوں کا اپنے گھر بار سے محروم ہونا اور کیمپوں میں غیر انسانی حالات میں رہنے پر مجبور ہونا بلاشبہ بہت بڑا انسانی المیہ ہے اور اس کے اسباب کو جلد از جلد دور کرکے اس کا پرامن حل تلاش کیا جانا چاہیے مگر سوال یہ ہے کہ امریکا اور اس کے اتحادی یورپی ممالک جنہیں فلسطین میں مسلمانوں کے حقوق کی پامالی پر ذرّہ برابر تکلیف نہیں، اسرائیل کی تمام انسانیت سوز کارروائیوں کی جن کی جانب سے مکمل تائید اور پشت پناہی کی جاتی ہے، جنہیں کشمیر میں لاکھوں مسلمانوں کا قتل عام کسی حرکت پر مجبور نہیں کرتا، جنہوں نے خود افغانستان اور عراق پر بے جواز جارحیت مسلط کرکے دارفور سے کئی گنا زیادہ شہریوں کو آگ اور خون میں نہلا دیا اور ان ملکوں کو کھنڈر بنا دیا ہے، جو پاکستان کے قبائلی علاقوں پر آئے دن ڈرون حملوں کے ذریعے عورتوں بچوں سمیت سینکڑوں شہریوں کے قتل عام میں کوئی قباحت نہیں سمجھتے..... آخر انہیں دارفور سے اتنی ہمدردی کیوں ہے کہ وہ سوڈان کے حکمرانوں کو بین الاقوامی کریمنل کورٹ میں کھینچ لانے پر تلے ہوئے ہیں حالانکہ اس تنازع میں دونوں طرف عام طور پر مسلمان ہی ہیں؟

اس سوال کا جواب معتبر حقائق اور شواہد کے ساتھ متعدد مغربی محققین اور تجزیہ کاروں کی تحریروں میں ملتا ہے۔ ان میں سے ایک ورلڈ سوشلسٹ ویب سائٹ کے تجزیہ کار بریان اسمتھ (Brian Smith) ہیں۔ دارفور اور سوڈان میں مغرب کی استعماری قوتوں کے عزائم پر انہوں نے مستقل نگاہ رکھی ہوئی ہے۔ چنانچہ ۱۹ نومبر ۲۰۰۴ء کو انہوں نے واقعاتی شواہد کی روشنی میں "Mounting evidence of US destabilisation of Sudan" کے عنوان سے دارفور کی آڑ میں سوڈان کے بارے میں مغربی طاقتوں کے ارادوں پر چشم کشا تحریر قلم بند کی تھی، بریان اسمتھ بتاتے ہیں کہ:

"اقوام متحدہ کا ایک غیر معمولی اجلاس، ۱۸ اور ۱۹ نومبر کو نیروبی میں امریکا کی درخواست پر

۱۔ بحوالہ: http://www.spiked-online.com/index.php?/site/printable/3723

ہو رہا ہے، جس کا موضوع دارفور اور جنوبی سوڈان کا امن سمجھوتہ ہوگا۔ پچاس سال میں یہ محض چوتھا اجلاس ہے جو نیویارک سے باہر ہو رہا ہے۔ یہ اجلاس برطانیہ کی جانب سے پیش کیے گئے ایک قرارداد کے مسودے پر غور کرے گا جس میں سوڈانی حکومت کی دارفور کے انسانی مصائب کے ذمہ دار کی حیثیت سے مذمت کی گئی ہے اور بحران کے خاتمے میں ناکامی کی صورت میں اسے پابندیوں اور فوجی مداخلت کی دھمکی دی گئی ہے۔ قرارداد میں دس ہزار کی نفری پر مشتمل امن فوج کی ضرورت کا اظہار کیا گیا ہے، جس کی ذمہ داری محض نگرانی نہ ہو بلکہ جسے اس سے بڑھ کر اختیارات حاصل ہوں۔ یہ قرارداد سوڈان کے لیے عطیات دہندگان کی ایک بین الاقوامی کانفرنس کے انعقاد کی امید بھی دلاتی ہے۔''

بریان اسمتھ اس تحریر کو جاری رکھتے ہوئے بتاتے ہیں کہ اقوام متحدہ کے لیے برطانیہ کے مندوب سرایمری جونز پیری نے اس قرارداد کے بارے میں کہا کہ '' قرارداد کا یہ مسودہ ایک گاجر ہے۔ ہم کہہ رہے ہیں کہ اگر تم (یعنی سوڈانی حکومت) ایک مستحکم ریاست کے قیام کے لیے ایک ساتھ چلنے اور رہنے کے لیے تیار ہو تو یہ وہ کچھ ہے جو ہم دے سکتے ہیں اور اس میں اقوام متحدہ کی طرف سے قیام امن کے لیے ایک بڑی کارروائی، انسانی مسائل کے حل کے لیے امداد، قانون اور نظم وضبط میں بہتری، بنیادی ڈھانچے کی تعمیر، قانون کی حکمرانی اور جمہوری اداروں کے قیام میں تعاون شامل ہے[۱]۔''

دارفور کے حوالے سے سوڈان کے خلاف شروع کی جانے والی اس مہم کے آغاز ہی میں اس مغربی تجزیہ کار نے مغربی طاقتوں کے درپردہ استعماری عزائم کو بے نقاب کرتے ہوئے واضح کر دیا تھا کہ ''برطانوی قرارداد کے اس مسودے کا مقصد سوڈان پر بالواسطہ نوآبادیاتی کنٹرول کی ازسرنو بحالی کی منصوبہ بندی ہے۔ یہ درحقیقت امریکا کی جانب سے کی جانے والی ایک طویل المیعاد کوشش کا حتمی مرحلہ ہے۔ اس میں امریکا کو ماضی کی استعماری طاقت برطانیہ کی حمایت حاصل ہے۔ جبکہ دوسری طاقتوں، خصوصاً فرانس اور جرمنی نے اس کام کے لیے تعاون میں ہچکچاہٹ کا مظاہرہ کیا ہے۔''

اس کے بعد بریان اسمتھ بتاتے ہیں کہ امریکا اور برطانیہ سوڈان پر اپنا کنٹرول کن اسباب کی بناء پر قائم کرنا چاہتے ہیں۔ لکھتے ہیں: ''سوڈان پر تسلط قائم کرنے کی جو خواہش مغرب خصوصاً امریکا میں پائی

۱۔ دیکھیے: http://www.wsws.org/articles/2004/nov2004/sudn-n19.shtml

جاتی ہے، اس کے دو کلیدی اسباب تیل اور پانی ہیں۔ پانی تزویری اعتبار سے اہم ہے کیونکہ نیلا اور سفید دونوں دریائے نیل سوڈان میں ملتے ہیں اور بالکل متصل شمال میں واقع مصر کے لیے زندگی کی لکیر کی حیثیت رکھتے ہیں۔ اینگلو امریکن مفادات کی جانب سے حالیہ دباؤ کی بناء پر ایتھوپیا، کینیا، یوگنڈا اور تنزانیہ نے سوڈان میں گہرے مفادات رکھنے والے مصر کے ساتھ نیل کے سلسلے میں کیے گئے پرانے معاہدوں کے بارے میں سوالات اٹھائے ہیں۔''

سوڈان میں تیل کے ذخائر اور کاروبار کے حوالے سے بریان اسمتھ بتاتے ہیں کہ ''فی الوقت تیل کا شعبہ بڑی حد تک (چالیس فی صد) چین کنٹرول کر رہا ہے، لیکن پاکستان، ملائشیا، روس اور فرانس بھی اس میں شریک ہیں۔ سوڈان میں ۱۹۷۰ء کی دہائی کے وسط سے تیل کی بڑے پیمانے پر تلاش شروع ہوئی۔ امریکا فی الحال سوڈان کی تیل کی دولت میں حصہ پانے سے خود اپنی عائد کردہ پابندیوں کی وجہ سے باہر ہے اگرچہ ماضی میں شیورون Chevron سوڈان میں تیل کے کنوؤں کی دریافت کے لیے ایک اعشاریہ دو ارب ڈالر خرچ کر چکی ہے۔'' واضح رہے کہ شیورون کارپوریشن کا تعلق امریکا سے ہے، اس کا صدر دفتر کیلی فورنیا میں ہے اور یہ دنیا کی چوتھی بڑی انرجی کمپنی ہے۔

بریان اسمتھ بتاتے ہیں کہ جرمن اخبار Frankfurter Allgemeine Zeitung نے جولائی ۱۹۹۸ء میں رپورٹ دی تھی کہ شیورون نے اندازہ لگایا ہے کہ ''سوڈان، ایران اور سعودی عرب کے مشترکہ ذخائر سے زیادہ تیل رکھتا ہے۔'' اسمتھ کے مطابق ۲۰۰۴ء میں سوڈان میں تین لاکھ پینتالیس ہزار بیرل تیل یومیہ نکالا جارہا تھا جبکہ یو ایس انرجی انفارمیشن ایڈمنسٹریشن کے اندازے کے مطابق زیرِ استعمال کنوؤں ہی میں ٦٦ کروڑ اور ۲ء۱۱ ارب بیرل کے درمیان تیل موجود ہے۔'' بریان اسمتھ کے بقول یہ ہے وہ اصل سبب جو امریکا اور برطانیہ کو سوڈان میں کسی نہ کسی بہانے مداخلت پر اکسا رہا ہے۔ لکھتے ہیں:

''یہ ہے وہ سب کچھ جس نے سوڈان کو ایک ایسا قیمتی تحفہ بنا دیا ہے جو اس وقت امریکا کے حریفوں کے ہاتھوں میں ہے۔ اس سے پہلے سوڈان کے خلاف پابندیوں کی دھمکی پر مبنی امریکا کی تائید کے ساتھ پیش کی جانے والی قرارداد چین، فرانس روس نے سلامتی کونسل میں روک دی تھی۔ ان ملکوں نے اس قرارداد کو ویٹو کر دیا تھا اور تیل کے شعبے کے خلاف پابندیوں کی مخالفت کی تھی جس سے ان کے مفادات وابستہ